29

جب تک مسلمان تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتے وہ دوسروں پر غلبہ نہیں پا سکتے

(فرمودہ 16 اگست 1946ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"اس میں شبہ نہیں کہ ہماری جماعت مذہبی جماعت ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ اسلام کی اندرونی اور بیرونی تبلیغ ہماری جماعت سے وابستہ ہے۔ اسلام ابتدائی ایام میں ہی تبلیغ کے ذریعہ کہیں کا کہیں جا پہنچا۔ جب رسول کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی اُس وقت مسلمانوں کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔ جن میں سے اسّی کے قریب تو حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے اور باقی تین سو، سوا تین سو میں سے کچھ رسول کریم ﷺ کے ساتھ کچھ آپ سے پہلے یا آپ کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ کتنی قلیل تعداد تھی لیکن اس کے مقابلہ میں کئی بڑی بڑی جماعتیں اسلام کی مخالفت میں کھڑی تھیں۔ صرف مسیلمہ کذاب کے قبیلہ کے لوگ ہی ایک لاکھ سے اوپر تھے اور بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ مقاتل تھے۔ اور چونکہ اس زمانہ میں لڑائی میں شمولیت کے لئے وہ قوانین نہ تھے جو آجکل ہیں اس لئے بوڑھے اور جوان سب لڑائی میں شامل ہو جاتے تھے۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کُل آبادی کا تیسرا یا چوتھائی حصہ لڑائی میں مصروف ہوتا تھا۔ لیکن آجکل عام طور پر کُل آبادی کا دس فیصدی حصہ فوج میں شامل سمجھا جاتا ہے کیونکہ شرائطِ صحت آجکل بہت سخت ہو گئے ہیں۔ اگر

اس روایت کو صحیح سمجھا جائے کہ ایک لاکھ مقاتل تھا تو کُل آبادی تین چار لاکھ کے درمیان بنتی ہے اور یہ صرف مسیلمہ کے قبیلہ کی تعداد ہے۔ باقی تمام عرب بھی اُس وقت اسلام سے خالی تھا اور اندازاً عرب کی کُل آبادی اس وقت دس لاکھ کے قریب تھی۔ اس لحاظ سے چند سو آدمی دس لاکھ دشمنوں کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھے۔ لیکن ایک چیز جو مسلمانوں کے عزائم کو مضبوط کرتی جاتی تھی اور کفار کے دلوں کو خوف سے کمزور کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ دشمن کے اندر سے روزانہ ایک ایک دو دو آدمی نکل کر مسلمانوں میں شامل ہو رہے تھے۔ ہم بچپن میں ایک کھیل کھیلا کرتے تھے۔ پتہ نہیں کہ آجکل بچے وہ کھیل کھیلتے ہیں یا نہیں۔ ہم ریت کو مُٹھی میں پکڑ کر بھینچا کرتے تھے اور ریت انگلیوں کے سوراخوں میں سے گرتی جاتی تھی۔ گو ہم اسے روکنے کی بہت کوشش کرتے تھے مگر وہ رُکتی نہ تھی۔ اس ریت کا گرنا ہمیں یوں محسوس ہوتا تھا گویا ایک بہت بڑی عمارت گرتی جارہی ہے۔ اسی طرح کفار بھی یہ سمجھتے تھے کہ ہماری عمارت گر رہی ہے اور اب گئی کہ اب گئی۔ اس بات نے ان کے اندر کمزوری پیدا کر دی تھی۔ جس قوم کے افراد اپنی قوم میں سے نکل نکل کر دوسری قوم میں شامل ہوتے ہوں اس قوم میں بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ خواہ ایک آدمی ہی روزانہ نکلتا ہو۔ اور جس قوم میں نئے نئے آدمی شامل ہوتے رہتے ہوں خواہ ایک آدمی ہی روزانہ شامل ہوتا ہو اُس قوم کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ اور اس قوم کے افراد میں بہادری کی روح چمک اٹھتی ہے۔ اُس وقت سوال یہ نہیں ہوتا کہ کتنے آدمی عادتاً آکر شامل ہوئے یا کتنے آدمی عادتاً ایک قوم میں سے نکل گئے بلکہ ان کا عادتاً نکلنا اور عادتاً داخل ہونا ایسا اہم امر ہوتا ہے کہ جس قوم سے وہ نکلتے ہیں اس قوم کے اخلاق میں بگاڑ اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے اور جس قوم میں وہ داخل ہوتے ہیں اس کے حوصلے بڑھنے شروع ہو جاتے اور اس کے اخلاق میں بہادری اور شوکت کا رنگ آنا شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے دلوں کی یہی کیفیت تھی۔ وہ آہستہ آہستہ تمام عرب پر اور پھر باقی تمام دنیا پر چھا گئے اور دنیا کے کونے کونے میں انہوں نے اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ چھوٹے ہوتے ہم پڑھا کرتے تھے کہ یورپین اندازہ کے لحاظ سے مسلمان سب روئے زمین پر بیس کروڑ ہیں۔ لیکن مسلمان چالیس کروڑ کا اندازہ بتایا کرتے تھے۔ بچپن میں مَیں یورپین اندازہ کو زیادہ صحیح سمجھا کرتا تھا اور سمجھتا تھا

کہ ان کا اندازہ عام طور پر صحیح ہوتا ہے لیکن بعد میں جغرافیہ کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ اندازہ صحیح نہیں ہے بلکہ مسلمان چالیس کروڑ بلکہ اب تو اس سے بھی زیادہ ہیں۔ لیکن اگر چالیس کروڑ ہی سمجھے جائیں تو بھی یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ جو دنیا کی اکثر اقوام سے زیادہ ہے۔ آج بھی مسلمان اگر تبلیغ کی طرف توجہ کریں تو وہ بہت جلد اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور دنیا ان کے مقابلہ سے قاصر رہ جائے۔

غیر مذاہب میں رکھا ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ [1] کہ کئی بار کفار کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش! یہ عقیدے ہمارے ہوتے اور یہ تعلیم ہماری ہوتی۔ کفار کی یہ خواہش ایک طبعی خواہش تھی جو ہر زمانہ کے کفار کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اسلامی عقائد اور اسلامی تعلیم کا مقابلہ ناممکن ہے۔ لیکن ان کو اِرد گرد کی بے بنیاد روایتیں سہارا دیئے رکھتی ہیں اور وہ ایک قوم اور ایک سوسائٹی میں ہونے کی وجہ سے اس کے ترک پر تیار نہیں ہوتے جس طرح ایک ٹوٹی ہوئی اینٹ بھی عمارت کے اندر کھڑی رہتی ہے۔ اگر زور سے موسل [2] مار کر اینٹ کو توڑ بھی دیں تب بھی وہ دوسری اینٹوں کے سہارے پر کھڑی رہے گی۔ لیکن باہر نکلی ہوئی اینٹ کو توڑو تو اُس کے ریزے بکھر جائیں گے۔ پس چونکہ آجکل کفر کے ارد گرد چاروں طرف کفر ہی کفر ہے اس لئے ارد گرد کا کفر اس کے لئے سہارے کا موجب بنا ہوا ہے۔ لیکن اگر مسلمان چاروں طرف سے کفر پر حملہ شروع کر کے ایک نئی فضا پیدا کر دیں تو کفر ریت کی دیوار کی طرح یکدم زمین پر آ ئے گا۔ لیکن افسوس ہے کہ باقی جماعتیں تبلیغ جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی میں بہت کوتاہی سے کام کر رہی ہیں اور صرف ایک ہماری جماعت ہے جو اپنی طاقت سے بڑھ کر اس فریضہ کو سرانجام دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ چونکہ ہماری جماعت کی تعداد کم ہے اس لئے اس کی تبلیغ وہ گونج پیدا نہیں کرتی جو فضا کو بدلنے کے لئے ضروری ہے اور اس وجہ سے ہماری تبلیغ کا رُعب اغیار کے دلوں میں ابھی تک قائم نہیں ہوا۔ لیکن ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اگر سب کے سب اپنے فرض کو سمجھیں تو ہندوستان کی تبلیغ بہت ہی آسان ہو جاتی ہے اور غیر مسلموں کو اسلام کے حلقہ میں داخل کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ ایک مسلمان کے حصہ میں

تین یا چار غیر مسلم آتے ہیں۔ اگر ایک آدمی کے پاس اسلام جیسی اعلیٰ تعلیم ہو اور وہ دن رات اپنے تین چار ساتھیوں کے سامنے اس کی خوبیاں بیان کرتا رہے تو ہو نہیں سکتا کہ اسلام کی اعلیٰ اور فطرت کے مطابق تعلیم دوسروں کے دلوں میں گھر نہ کرے۔ اگر آج سے ہی اِس طریقہ پر تبلیغ شروع کر دی جائے تو آج سے ہی غیر مسلموں میں یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ ہمارے عقائد میں یہ خرابیاں ہیں اور ہمیں اس مذہب کی تلاش کرنی چاہیئے جس میں یہ یہ خرابیاں موجود نہ ہوں۔ صرف توحید کا مسئلہ ہی دوسری قوموں کو مٹانے کے لئے کافی ہے۔ کسی مذہب میں توحید کا وہ نقشہ نہیں جو اسلام میں ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی مساوات ایک ایسی چیز ہے جو ہر مذہب والے کا منہ بند کر دیتی ہے۔ کوئی مذہب اس رنگ میں مساوات کی تعلیم نہیں پیش کرتا جس رنگ میں اسلام نے پیش کی ہے۔ اسلام ایسے روشن دلائل سے مزیّن ہے کہ دوسرے مذاہب اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ خود مسلمانوں نے اس کی طرف سے بے توجہگی پیدا کر لی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن جب تک مسلمان اس اہم فریضہ کی طرف توجہ نہیں کرتے اس وقت تک وہ دوسروں پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ اور خصوصاً جو حالات آجکل ہمارے ملک میں پیدا ہو رہے ہیں یہ اِس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو جلد بیدار ہونا چاہیئے اور اپنے مذہب کو ایسے مقام پر کھڑا کرنا چاہیئے کہ وہ تمام مذاہب کو اپنے حملوں سے خاموش کرا دے اور دنیا کے لوگ اس بات کے ماننے پر مجبور ہوں کہ اسلامی تعلیم ہی ایک ایسی تعلیم ہے جو دنیا کے دردوں کا علاج ہو سکتی ہے۔

غرض ہماری جماعت کو گو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی ہم سیاسیات میں اُلجھ کر اپنی توجہ مذہبی کاموں سے پھیرنا چاہتے ہیں لیکن بعض اوقات ہمیں حالات مجبور کر دیتے ہیں اور ہمارے لئے سوائے اس کے اَور کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ہم سیاسیات میں حصہ لیں۔ ایسی حالت میں ہم مجبوراً حصہ لیتے ہیں۔ فرض کرو جیسا کہ ڈاکٹر مونجے کا خیال ہے کہ مسلمان ہندوستان سے نکل جائیں اور کسی وقت ہندو اکثریت یہ قانون بنائے کہ مسلمان ہندوستان سے چلے جائیں تو ایسی حالت میں احمدی بھی باقی مسلمانوں میں شامل سمجھے جائیں گے اور ان کو یہ اجازت نہیں ہو گی کہ وہ ہندوستان میں رہ جائیں۔ اس قسم کے حالات میں ہمیں مجبوراً سیاسیات

کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ سے ہماری جماعت کا تعلق ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے قائم کیا ہے اس لئے وہ براہِ راست نئے نئے علوم کے ذریعہ اپنے نور کے ذریعہ اور اپنی ہدایت اور رُشد کے ذریعہ اس جماعت کی رہنمائی فرماتا ہے اور یہ چیز دوسرے لوگوں کو حاصل نہیں۔ چونکہ وہ اس سے محروم ہیں اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ایسے حالات میں ہماری رہنمائی فرماتا ہے ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ہاں جتھا اور اکثریت اُن کے ساتھ ہے اس لئے اُن کی غیر معقول بات بھی سننے والوں پر اثر انداز ہوتی ہے کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے جتھا ہے۔ لیکن ہماری معقول بات بھی غیر معقول سمجھی جاتی ہے کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک چھوٹی سی جماعت کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔ مَیں نے ہندوستان کے موجودہ حالات کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ بعض اوقات اختلاف نیک نتائج کی بجائے بد نتائج پیدا کرتا ہے اور مفید ہونے کی بجائے مُضِر پڑتا ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسے رستے موجود ہیں کہ جن کے ذریعہ مسلمان باوجود دوسروں سے تعداد میں قلیل ہونے کے ان پر غالب آ جائیں اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو نظر انداز نہ کر سکے۔ لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ان کا بیان نہ کرنا ان کے بیان کرنے سے بہتر ہے کیونکہ بعض اوقات اچھی اور معقول بات بھی تفرقہ اور شِقاق کا موجب بن جاتی ہے۔ اور دنیوی کاموں میں بعض دفعہ سیدھا رستہ ان کے لئے مُضِر اور خطرناک ہوتا ہے کیونکہ تفرقہ پیدا ہو کر طاقت ضائع ہو جاتی ہے۔ لیکن غلط راستہ باوجود غلط ہونے کے کامیابی کے قریب کر دیتا ہے کیونکہ یکجہتی سے قوم کے اندر طاقت پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی چونکہ دنیوی معاملہ ہے اس لئے مَیں سمجھتا ہوں کہ ضروری نہیں کہ مَیں اپنے خیالات کا ضرور اظہار کروں۔ صرف دینی امور ہی ہیں کہ ان کے بارہ میں انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ جس بات کو وہ صحیح سمجھتا ہے اس کا اظہار کرنے سے دریغ نہ کرے۔ اگرچہ اس کی گردن تلوار کے نیچے کیوں نہ ہو۔ لیکن دنیوی معاملات میں خاموشی اختیار کی جا سکتی ہے اور حکمت اور مصلحتِ وقت کو مدنظر رکھنا مناسب ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص یہ جانتا ہے کہ اس کی تجویز اور اس کے مشورہ سے قوم میں افتراق اور انشقاق کا خطرہ ہے۔ اگر قوم میں افتراق پیدا ہو گیا تو اس کی کامیابی کا

اِمکان صرف ایک دو فیصدی ہو گا۔ لیکن اس کے مقابل پر اگر اس میں اتفاق رہا تو اس کی کامیابی کا امکان پانچ دس فیصدی ہے تو اس حالت میں اس کے لئے خاموش رہنا ہی بہتر ہو گا۔

اس وقت مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ کسی بات کا صحیح نقشہ ذہن میں نہیں رکھتے اور ان کی یہ عادت ہو چکی ہے کہ اول تو وہ سوچتے ہی نہیں اور اگر سوچیں تو پھر بالکل جذباتی سکیم سوچتے ہیں جس کا چلانا ان کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ اِس وقت مسلمان نہایت پراگندگی اور تَشَتُّت کی حالت میں ہیں اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔ یورپ کے مسلمان، ایشیائی مسلمانوں سے بالکل الگ ہیں۔ گو ان کی تعداد ایشیائی ممالک کے مقابلہ میں بالکل کم ہے۔ لیکن اگر وہ بھی ایشیائی مسلمانوں سے متحد ہوں تو اس اتحاد سے یورپین ممالک اور ایشیائی ممالک دونوں کے مسلمانوں کو بہت بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یورپین ممالک میں مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ کے قریب ہے۔ پولینڈ میں کئی لاکھ مسلمان ہیں، رومانیہ میں کئی لاکھ مسلمان ہیں، یوگوسلاویہ اور البانیہ میں کئی لاکھ مسلمان ہیں۔ اسی طرح یورپین ٹرکی اور یونان میں کئی لاکھ مسلمان ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہوں۔ لیکن یہ سارے کے سارے مسلمان بالکل بے بسی کی حالت میں ہیں اور اسلامی تعلیم سے بالکل ناواقف ہیں۔ وہ مغربی تعلیم کو ہی اپنا لائحہ عمل سمجھتے ہیں اور اسلامی تعلیم سے اس قدر دور جاچکے ہیں کہ اسلامی تعلیم ان میں رسم وعادت بن کر رہ گئی ہے۔ لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوُا ہے کہ وہ مرتد نہیں ہوتے۔ وہ اپنی قوم مسلمان سمجھتے ہیں اور کوئی شخص اپنی قومیت تبدیل کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے وہ بھی اسلام کو نہیں چھوڑتے اور یہ چیز ان کی حفاظت کر رہی ہے۔ وہ عملاً عیسائیت اور دہریت کے اصولوں پر کاربند ہیں لیکن جب ان سے پوچھا جائے کہ آپ کون ہیں؟ تو فخر یہ طور پر کہیں گے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام ایک قوم کا نام ہے، مذہب کا نام نہیں کیونکہ وہ مذہب کے متعلق تو جانتے ہی کچھ نہیں۔ وہ اسلام کے نام پر اکٹھے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارا سیاسی جتھا اسلام کے نام سے ہی قائم رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد مغربی افریقہ ہے۔ اس میں بھی بڑی بھاری تعداد میں مسلمان ہیں لیکن وہ بہت گری ہوئی حالت میں ہیں اور ان سے یہ امید نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی اسلامی ملک کی تائید میں شور مچائیں گے۔ شمالی افریقہ کے بعد مشرقِ قریب ہے جو

ہمارے لحاظ سے مغرب ہے۔ اس میں مصر کی حکومت ہے، شام کی حکومت ہے، فلسطین، عرب اور عراق کی حکومتیں ہیں۔ ایران، افغانستان کی حکومتیں ہیں۔ ان سب ممالک کی مجموعی آبادی چھ سات کروڑ ہے لیکن یہ سب تقسیم شدہ علاقے ہیں۔ مصر کی آبادی ایک کروڑ اسّی لاکھ کے قریب ہے۔ یہ ایک خود مختار علاقہ ہے۔ پھر شام اور لبنان کے علاقے ہیں۔ شام قریباً کُلّی طور پر اور لبنان قریباً نصف مسلمان ہے۔ یہ علاقے گو عربی تحریک سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن اپنی آزادی کو برقرار رکھنے پر مُصِر ہیں۔ پھر ٹرکی ہے اُسے اِن عربی علاقوں سے اس قدر اختلافات تھے کہ قریباً بتیس سال سے وہ ان ممالک سے بالکل روٹھا رہا ہے۔ اب قدرے ٹرکی کے رویہ میں تبدیلی ہوئی ہے۔ تمام عربی علاقوں کو ملالیا جائے تو ان کی آبادی دو اڑھائی کروڑ کے قریب ہے۔ لیکن صرف عربی ممالک میں مصر کے سوا سات حکومتیں ہیں اور ان میں سے بعض بعض کی رقیب ہیں اور وہ ایک دوسری سے پوری طرح تعاون کرنے کو تیار نہیں۔ ایران آبادی کے لحاظ سے چھوٹا ملک ہے اور اس میں شیعیت کی وجہ سے اور دوسرے قومی تفرقہ وشِقاق کی وجہ سے اُبھرنے کے سامان موجود نہیں۔ اس سے بھی کسی اسلامی علاقہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ افغانستان سُنّی ہے لیکن چھوٹا ملک ہے اور تعلیم اور صنعت و حرفت میں بہت پیچھے۔ اس سے بھی امید نہیں کی جا سکتی کہ باوجود اُبھرنے کے دوسرے ممالک کی حمایت کر سکے۔ روس کے مسلمانوں کے متعلق بھی اُبھرنے کی فِی الْحال کوئی امید نہیں کیونکہ وہ ایک ایسی حکومت کے ماتحت ہیں جس نے ان کی مذہبی اور قومی آزادی چھین لی ہے اور ان کی ترقی کے راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمان بھاری اقلیّت میں ہیں اور یہاں کے مسلمان اِس وقت ایسی پوزیشن میں ہیں کہ ان کی آواز غیروں کے مقابلہ پر کوئی خاص اثر نہیں رکھتی اور خصوصاً مسلمانوں کی غیر ملکی آواز تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ غیر ملکی گورنمنٹوں پر اثر ڈالنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اکثریت ایک آواز کی تائید میں ہو۔ ورنہ اقلیت کی آواز فارن گورنمنٹوں پر کوئی اثر نہیں کرتی۔ چین میں آٹھ دس کروڑ کے قریب اور تازہ یورپین اعداد و شمار کے لحاظ سے اڑھائی تین کروڑ مسلمان ہیں۔ بہر حال وہ ملک کی آبادی کا چھٹا ساتواں حصہ ہیں اِس لئے غیر ممالک میں ان کی کوئی آواز نہیں۔ غرض جس قدر علاقے مَیں نے گنوائے ہیں

اُن میں سے کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں جہاں کہ مسلمانوں کی آواز اثر پیدا کر سکتی ہو۔ ہندوستان کے مشرق میں انڈونیشیا یعنی جاوا، سماٹرا کے جزائر ہیں جن میں سات کروڑ کے قریب مسلمان ہیں۔ ان کی ایک ہی نسل اور ایک زبان اور ایک ہی مذہب یعنی اسلام ہے۔ اسلامی دنیا میں سے صرف یہ ایک حصہ ایسا ہے جہاں کی آبادی بھی اچھی ہے اور جو ایک قوم ہونے اور ایک زبان بولنے کے علاوہ آپس میں متحد ہونے کے خواہشمند ہیں۔ ملایا کا ملک بھی گو ان سے حکومت الگ ہے مگر قوم اور بولی کے لحاظ سے ملتا ہے۔ وہاں بے شک چینی اور ہندوستانی آبادی بھی ہے مگر اصل ملک ملائیوں کا ہے۔ سماٹرا، جاوا، بورنیو، جزائر مسلمان ہیں۔ صرف جاوا میں ہی چار کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ اس علاقہ میں کوئی دس ہزار کے قریب چھوٹے بڑے جزیرے ہیں جو کہ قریباً سارے کے سارے مسلمان ہیں۔ کوئی پانچ مربع میل کا ہے، کوئی دس مربع میل کا ہے، کوئی بیس مربع میل کا ہے، کوئی پچاس مربع میل کا ہے۔ کسی جزیرہ میں بیس ہزار کی آبادی ہے، کسی میں دس ہزار کی آبادی ہے، کسی جزیرہ میں پانچ ہزار کی آبادی ہے، کسی میں دو ہزار کی آبادی ہے، کسی میں ایک ہزار کی آبادی ہے۔ اور سینکڑوں جزیرے ایسے ہیں جن میں کوئی آبادی نہیں اور جہاں انام (Annam)**3** اور سیام (Siam)**4** ان جزائر سے ملتے ہیں۔ وہاں بھی لاکھوں لاکھ مسلمان موجود ہیں۔ انڈونیشیا کے مسلمانوں نے اس لڑائی میں جو آزادی کے لئے وہاں لڑی جارہی ہے اپنے متحد ہونے کا بہت اچھا نمونہ پیش کیا ہے اور یہ ایسا نمونہ ہے جو ہمیں عربی ممالک میں بھی نظر نہیں آتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب کی حکومتیں مصر سے ملنے کو تیار نہیں اور مصر کی حکومت عرب سے متحد ہونے کو تیار نہیں۔ شامی حکومت فلسطینی حکومت سے متحد ہونے کو تیار نہیں اور فلسطینی حکومت شامی حکومت سے متحد ہونے کو تیار نہیں۔ یمن کی حکومت نجد سے تعاون کرنے کو تیار نہیں اور نجد کی حکومت، یمن کی حکومت سے ملنے کو تیار نہیں۔ غرض کوئی علاقہ دوسرے علاقہ کے ماتحت یا اس سے متحد ہونے کو تیار نہیں لیکن انڈونیشیا کے جزائر نے اس اعلیٰ خوبی کا مظاہرہ کیا ہے جس سے دوسری اسلامی دنیا قاصر رہی ہے۔ ان کی ابھی تک آواز ایک ہے ان کی بولی ایک ہے، ان کی حکومت ایک ہے۔ ڈچوں نے گزشتہ چند ماہ میں بہت کوشش کی ہے کہ ان میں افتراق پیدا کر دیں لیکن

وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ مجھے افسوس ہے کہ باقی اسلامی ممالک اتحاد کی خوبی کو محسوس نہیں کرتے۔ ان میں سے ہر ایک کی آواز جداگانہ رنگ رکھتی ہے۔ اب آکر عربوں نے بَیْنَ الْاَقْوَامِی معاملات میں اتحاد کیا ہے۔ لیکن اندرونی معاملات میں ابھی اِنشقاق اسی طرح جاری ہے۔ انڈونیشیا کے جزائر ہی موجودہ وقت میں ایسے ہیں جن کی آواز ایک ہے اور جو اندرونی اور بیرونی معاملات میں متحد نظر آتے ہیں۔ یہ سات کروڑ کے پانچ سات جزائر ایشیائی ممالک کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ ایشیائی ممالک کی کنجی سنگاپور ہے اور وہ بھی ان جزائر سے علیحدہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ وہ نسل اور زبان کے لحاظ سے اُن کا جزو ہے اور جس قوم کے ہاتھ میں سنگاپور ہو گا اگر وہ مضبوط ہوئی تو دوسرے ممالک لازمی طور پر اس سے صلح رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ سماٹرا جاوا میں جو تحریک چل رہی ہے اگر وہ کامیاب ہو جائے تو بعید نہیں کہ ملایا بھی ان کے ساتھ مل جائے۔ اگر ان جزائر کو آزادی مل جائے تو یہ جزائر اسلامی تعلیم کو پھیلانے اور اسلامی عظمت کو قائم کرنے میں بہت بڑا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ باقی اسلامی ممالک نے ان جزائر کی تائید میں بہت کم آواز اٹھائی ہے اور ان جزائر کی ہمدردی میں بہت کم حصہ لیا ہے۔ یہی ایک ایسا حصہ ہے جہاں پر مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ان میں اتحاد ہے۔ ان کی آواز ایک ہے۔ مسلمانوں کو ایسے علاقہ کی امداد کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے اور ان کی آزادی کا ڈچ حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیئے۔ اگر ان لوگوں کو آزادی مل جائے تو ان کی آزادی سے باقی اسلامی ممالک کو بھی بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ساری دنیا میں صرف انڈونیشیا ایک ایسا علاقہ ہے جس میں چھ سات کروڑ مسلمان ایک زبان بولنے والے اور ایک قوم کے بستے ہیں اور جن کے علاقے میں غیر لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور جن میں اتحاد کی روح اِس وقت زور سے پیدا ہو رہی ہے۔ دنیا بھر میں اَور کوئی علاقہ اسلامی مرکز ہونے کی اس قدر اہلیت نہیں رکھتا۔ پس اِس وقت اِس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اخباروں میں، رسالوں میں اور اپنے اجتماعوں میں مسلمان اپنے ان بھائیوں کے حق میں آواز اٹھائیں اور ان کی آزادی کا مطالبہ کریں۔ اگر اب ان کی امداد نہ کی گئی اور اگر اب ان کی حمایت نہ کی گئی تو مجھے خدشہ ہے کہ ڈچ ان کی آواز کو بالکل دبا دیں گے۔ وہ اپنی طرف سے

پوری کوشش کر رہے ہیں کہ آہستہ آہستہ انڈونیشیا کے شور پر قابو پالیں اور اس کوشش میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہو گئے ہیں اور دنیا کی نظریں اب انڈونیشیا کی طرف سے ہٹ گئی ہیں۔ اور انڈونیشیا کے لوگ خود بھی یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اب ہم اکیلے رہ گئے ہیں۔ لیکن اگر دنیا میں ان کی حمایت میں اور ان کی تائید میں آوازیں بلند ہوں، ایک شور برپا ہو جائے تو وہ دلیری اور بہادری سے مقابلہ کریں گے۔ کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ ہم اکیلے نہیں لڑ رہے بلکہ ہمارے کچھ اَور بھائی بھی ہماری پُشت پر ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب تک انسان یہ سمجھتا ہے کہ کچھ لوگ اس کے مقابلہ کو دیکھ رہے ہیں تو وہ زیادہ جوش کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ مَیں اکیلا ہوں اور مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا تو اس کے جوش میں کمی آ جاتی ہے۔ پس اگر انڈونیشیا کے لوگوں کے کانوں میں یہ آوازیں پڑتی رہیں کہ ہم تمہاری ہر قسم کی امداد کریں گے اور جہاں تک ممکن ہو گا ہم تمہارے لئے قربانی کریں گے۔ اس آزادی کی جنگ میں آپ لوگ اکیلے نہیں لڑ رہے بلکہ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں اور پھر جہاں تک ممکن ہو دنیا کے مسلمان اپنے ان مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کی کوشش کریں تو وہ اپنی آزادی کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کریں گے اور امید کی جاسکتی ہے کہ ان کو جلد آزادی مل جائے۔

مَیں نے جاوا، سماٹرا والوں کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ایک خطبہ میں مشورہ دیا تھا کہ ابھی کچھ عرصے تک ایشیائی طاقتوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے مغربی طاقتوں کی ضرورت ہے۔ فوراً ایک دن میں حکومت کے تمام سامان تیار نہیں ہوسکتے۔ اب وہ زمانہ نہیں کہ میرے پاس بھی تلوار ہے اور دشمن کے پاس بھی تلوار ہے۔ جو طاقتور ہوا اس نے دوسرے کو زیر کر لیا بلکہ یہ زمانہ علمی ترقی کا ہے اور اب لڑائی کے لئے تلوار کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ہم صرف فوج کی زیادتی پر بھروسہ کر سکتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ان نئے نئے آلاتِ حرب کی ضرورت ہے جو کہ موجودہ زمانہ کی لڑائیوں میں استعمال ہو رہے ہیں۔ مثلاً ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کی ضرورت ہے اور توپوں اور ٹینکوں، بندوقوں اور مشین گنوں کی ضرورت ہے اور یہ سامان کم از کم پندرہ بیس سال کے عرصہ میں جا کر مہیا کئے جاسکتے ہیں یکدم ان کا مہیا کرنا محال ہوتا ہے۔ اس لئے مَیں نے مشورہ دیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ جتنی آزادی ملتی ہے لے لو اور

پھر اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تیاری شروع کر دو۔ اپنی فوجوں کو ترتیب دے لو۔ اگر آٹھ دس سال کے عرصہ میں آپ لوگ اپنی تنظیم اِس رنگ میں کر لیں تو پھر ڈچ والوں کی طاقت نہیں کہ وہ بغیر تمہاری مرضی کے تم پر حکومت کر سکیں اور اگر اسی طرح زیادہ دیر تک لڑائی کو جاری رکھا جائے تو اس کا نقصان یہ ہو گا کہ تمہاری طاقت کمزور ہو جائے گی اور تمہیں اس طاقت کو حاصل کرنے میں بہت وقت کی ضرورت ہو گی۔ لیکن اس وقت تمہارا عارضی صلح کر لینا تمہاری طاقت کو ضائع ہونے سے بچالے گا۔ فرض کرو اگر اس وقت ڈچ والے انڈونیشیا کو چھوڑ کر چلے بھی جائیں تو انڈونیشیا میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کر سکے۔ اور یہ بات قرینِ قیاس بلکہ صاف طور پر نظر آتی ہے کہ دوسری مغربی قومیں انڈونیشیا میں دخل اندازی شروع کر دیں گی۔ اور خصوصاً روس کی نظریں تو ہر وقت انڈونیشیا کی طرف لگی رہتی ہیں کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ نے چینی سمندر کے بعض اڈوں پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ ان سمندروں میں اپنا اثر و نفوذ پیدا کر رہے ہیں۔ روس یہ چاہتا ہے کہ سماٹرا، جاوا پر میرا قبضہ ہو جائے اور اس طرح سے مَیں امریکہ اور برطانیہ کے اثر و نفوذ کو کم کر دوں اور ان کا مقابلہ کر کے ان سمندروں پر اپنا قبضہ جما سکوں۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مَیں نے ان کے مناسبِ حال یہ مشورہ دیا تھا کہ ڈچ والوں سے زیادہ سے زیادہ جتنی آزادی تمہیں مل سکتی ہے وہ لے لو اور پھر اپنی بری اور بحری طاقت بڑھانے کی کوشش کرو۔ پھر جب یہ طاقت تمہارے ہاتھ میں آ جائے گی تو پچاس ساٹھ لاکھ کی آبادی کے ملک کی طاقت کیا ہے کہ وہ چھ سات کروڑ انسانوں پر حکومت کر سکے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ایشیا کے مسلمانوں کا سیاسی مستقبل جاوا، سماٹرا کے مسلمانوں سے وابستہ ہے کیونکہ آج کسی ملک میں اِتنی تعداد میں مسلمان متحد نہیں جتنی تعداد میں انڈونیشیا میں متحد ہیں۔ اور دوسرے جو اہمیت اِن جزائر کو بوجہ جزیرہ ہونے کے حاصل ہے وہ اَور کسی ملک کو حاصل نہیں۔ بڑا جزیرہ ہونا بہت بڑی طاقت کا موجب ہوتا ہے۔ بوجہ سمندری راستوں کے وہ دوسرے ملکوں سے زیادہ تعلق پیدا کر سکتا ہے اور اسے بڑی حد تک قدرتی حفاظت کے سامان ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں باقی ممالک میں سے کوئی ملک بھی ایسا نہیں جس میں مسلمانوں کو اس قدر اکثریت حاصل ہو۔ جس کی وجہ سے اس کی

غیر ملکی آواز مسلمانوں کے حق میں مفید ہو سکے۔

جیسا کہ مَیں بتا چکا ہوں چین اور ہندوستان کے مسلمان اپنے اپنے ملک میں اقلیت میں ہیں۔ اس کے باوجود تعداد میں انڈونیشیا کے مسلمانوں سے زیادہ ہونے کے ان کی آواز نہ ملک کے انتظام میں اور نہ غیر ملکی تعلقات میں کوئی خاص اثر پیدا کر سکتی ہے۔ ایران اور افغانستان چھوٹے چھوٹے ملک ہیں اور تعلیم میں اتنے پیچھے ہیں کہ ان کی آواز کسی کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔ نیز نیشنل ویلتھ ان کی زیادہ نہیں ہے۔ لیکن جاوا، سماٹرا کو وہ ذرائع حاصل ہیں۔ گو قوم چھوٹی ہے اور مختلف جزائر میں بٹی ہوئی ہے لیکن سب جزائر پاس پاس ہیں اور بعض جزائر تو اتنے بڑے بڑے ہیں کہ اس علاقہ کی آبادی آسانی سے چودہ پندرہ کروڑ تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ پھر سب ایک مقصد کے لئے متحد ہیں اور اپنے اندر تفرقہ اور شقاق کو کسی صورت میں جگہ دینے کو تیار نہیں۔ ڈچ والوں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ انڈونیشیا کے لوگ اتفاق کو چھوڑ دیں اور پراگندہ ہو جائیں۔ لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اگر سماٹرا، جاوا والوں کو آزادی مل جائے تو ارد گرد کے چھوٹے جزیرے بھی ان کا اثر ماننے کے لئے بہت جلد تیار ہو جائیں گے۔ اب بھی یہ حالت ہے کہ انڈونیشیا کے سپاہی جب بعض جزائر میں جاتے ہیں تو لوگ ان کے ساتھ مل کر بغاوت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ڈچ اثر کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اگر سماٹرا جاوا والوں کو آزادی مل جائے تو یہ بات یقینی نظر آتی ہے کہ باقی جزائر والے مسلمان بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے۔

جاوا سماٹرا والوں کو آزادی دلانے کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ دوسرے ملکوں کے مسلمان ان کی آزادی کے لئے آوازیں اٹھائیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر یہ ملک آزاد ہو جائے تو اسلامی عظمت اور شوکت کا ذریعہ بن سکتا ہے اور اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں نے آج اس امر کے متعلق خطبہ دیا ہے تا کہ ہماری جماعت جو اندرون ہند یا بیرون ہند میں ہے اس بات کو ہر وقت مدنظر رکھے اور ہمارے مبلغ جو مختلف ممالک میں ہیں وہ اس آواز کو بلند کرنے کی کوشش کریں۔ اور مختلف رسالوں اور اخباروں میں انڈونیشیا کی تائید میں مضامین لکھیں۔ ہمارے اپنے اخباروں اور رسالوں کا فرض ہے کہ وہ اس آواز کو جہاں تک ممکن ہو بار بار

اٹھاتے رہیں تا کہ ہمارے اخباروں اور رسالوں کی آواز جتنے مسلمانوں تک پہنچ سکے وہ انڈونیشیا کی آزادی کی حمایت کرنے لگ جائیں۔ یہ بات مسلمانوں کے سامنے بار بار آتی رہنی چاہئے۔ باہر کے مبلغوں کو بھی چاہئے کہ اپنے اپنے علاقوں سے اس آواز کو بار بار اٹھاتے رہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایران میں ہمارے مبلغ ہیں، شام میں گو اس وقت مبلغ تو نہیں لیکن وہاں جماعت موجود ہے۔ فلسطین میں مبلغ موجود ہیں، مصر میں ہمارے مبلغ موجود ہیں، افریقہ کے مختلف حصوں میں ہمارے مبلغ موجود ہیں، یورپ کے پانچ ملکوں میں ہمارے مبلغ موجود ہیں، شمالی اور جنوبی امریکہ میں ہمارے مبلغ موجود ہیں۔ اگر جماعت کے افراد اپنے اس فرض کو سمجھیں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ اس مقصد میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ وقتاً فوقتاً ہمارے اخباروں اور رسالوں میں ایسے مضامین چھپتے رہنے چاہئیں کہ جاوا، سماٹرا کے لوگ اس بات کے حقدار ہیں کہ ان کو آزادی دی جائے۔ تعلیم اور دوسری صنعت و حرفت کے لحاظ سے وہ ترقی یافتہ ملک ہے اور وہ اتنی بڑی قوم ہے اور اس کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ ڈچ جیسی چھوٹی قوم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان پر حکومت کرے۔ غیر حکومت کی موجودگی کا سب سے پہلا فائدہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ اس ملک کی حفاظت کر سکے لیکن ڈچ حکومت اس قابل نہیں کہ وہ انڈونیشیا کو غیروں کے حملہ سے بچا سکے۔ برطانیہ بے شک باوجود ایک چھوٹی سی قوم ہونے کے اور باوجود اتنے فاصلہ کے ہندوستان کی حفاظت کر رہی ہے لیکن ڈچ والے یہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے پاس نہ اس قدر حفاظت کے سامان ہیں نہ ہی ان کی اتنی تعداد ہے کہ وہ کسی بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکیں۔ اسی طرح ڈچ کی حکومت اور انڈونیشیا کے لوگ نہ ہی ہم مذہب ہیں نہ ہی ہم قوم کہ انہیں حکومت کا حق حاصل ہو۔ پس جب اِن وجوہات میں سے کوئی وجہ بھی موجود نہیں جو کسی قوم کو دوسری قوم پر حکومت کا حق دیتی ہے کیونکہ نہ ہی ڈچ حکومت انڈونیشیا کی حفاظت کر سکتی ہے نہ ہی وہ اُن کی ہم قوم یا ہم مذہب ہے تو ایسی حالت میں ڈچ حکومت کا انڈونیشیا کو آزادی نہ دینا سوائے اس کے اَور کوئی معنے نہیں رکھتا کہ وہ اپنی اور جاوا، سماٹرا والوں کی طاقت کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ بجائے اس کے کہ کشمکش کے ذریعہ ایک دوسرے کی طاقت کو کمزور کیا جائے ڈچ حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں سے اتحاد کر کے ان کو آزاد کر دے تا کہ وہ

ایک دوسرے کی ترقی کا موجب ہوں۔ جاوا سماٹرا والے نام کے طور پر ڈچ حکومت کو ہی اپنا حاکم سمجھ لیں تا ایسا نہ ہو کہ جب تک انڈونیشیا طاقت پکڑے کوئی اَور حکومت حملہ کر کے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ پس اس قسم کے مضامین بار بار اخباروں میں لکھے جائیں اور ڈچ حکومت کو بتایا جائے کہ اگر وہ انڈونیشیا کو آزاد نہ کرے گی تو خطرہ ہے کہ کمیونزم وہاں پھیل جائے گا جو تمام دوسری حکومتوں کے لئے مُضِر ہو گا۔ اِس وقت امریکہ اور برطانیہ کمیونزم کے سخت دشمن ہیں۔ ان کو بھی اس وجہ سے توجہ پیدا ہو گی اور وہ ڈچ حکومت کو سمجھوتہ کے لئے مجبور کریں گے۔ یورپ میں باقی ممالک کے علاوہ خود ہالینڈ والوں کو خاص توجہ دلانی چاہئے کہ تمہارا جاوا سماٹرا کو آزاد کرنا تمہارے لئے کمزوری کا باعث نہیں ہو گا بلکہ تقویت کا موجب ہو گا۔ اگر ایک شخص کے گلے میں سات من کا پتھر لگا دیا جائے تو وہ یقیناً مر جائے گا۔ لیکن اگر اس پتھر کو اُس کے گلے سے الگ کر کے رکھ لیا جائے تو اس سے کئی کام لئے جاسکتے ہیں۔ اس سے چکیاں بن سکتی ہیں، پَن چکیاں بن سکتی ہیں لیکن وہ ایک انسان کے گلے میں تو ہلاکت کا ہی موجب ہے۔ اِسی طرح ڈچ والوں کو سمجھایا جائے کہ انڈونیشیا والے غیر زبانوں میں سے صرف ڈچ زبان بولتے ہیں اِس لحاظ سے بھی وہ تم سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اور انڈونیشیا والے تم سے تعلقات منقطع نہیں کریں گے اور نہ ہی کر سکتے ہیں کیونکہ ان کے کئی لیڈروں نے ڈچ عورتوں سے شادی کی ہوئی ہے اور ہالینڈ میں تعلیم حاصل کی ہوئی ہے اور جس قدر تعلیم یافتہ اس ملک میں ہیں وہ ڈچ زبان بولتے اور لکھتے ہیں۔ اور اس قسم کے تعلقات منقطع کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پس اگر تم لوگ محبت اور صلح کے ساتھ ان کو آزاد کر دو گے تو اُن کے دلوں میں تمہارے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوں گے اور اگر تم ان پر ظلم و تعدی کرو گے تو آزاد ہونے کے بعد ان کے دلوں میں تمہارے خلاف سخت بُغض ہو گا۔ کیونکہ اگر ایک شخص سے اس کا بھائی لڑے تو ان کے دل میں اس کے خلاف بہت زیادہ بُغض پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ بھائی ہو کر اس نے مجھ پر ظلم کیا، غیر کرتا تو مجھے افسوس نہ تھا۔ اِسی طرح اگر ڈچ والے انڈونیشیا کو آزاد نہ کر سکے تو ان کے خلاف ان کا بُغض شدید ہو گا کیونکہ ہالینڈ نے اس ملک سے سینکڑوں سال فائدہ اٹھایا ہے۔ اتنا لمبا عرصہ فائدہ اٹھانے کے بعد بھی اور اتنے تعلقات کے بعد بھی وہ جونک کی طرح

چمٹے رہیں گے تو دلوں میں بغض زیادہ پیدا ہو گا۔ لیکن اگر ڈچ حکومت انڈونیشیا والوں سے صلح کر لے اور ان کے مطالبات مان لے تو یہ اس کی تقویت کا موجب ہو گا۔ اس کی کمزوری کا موجب نہ ہو گا کیونکہ پرانے تعلقات کی وجہ سے یقیناً انڈونیشیا کی حکومت سب سے زیادہ ہالینڈ کے ساتھ تعلق رکھے گی اور اپنے طبعی ذرائع کی فراوانی کی وجہ سے جب طاقت پکڑے گی تو یقیناً ہالینڈ کی مدد پر اُسی طرح تیار رہے گی جس طرح امریکہ انگلستان کی مدد کے لئے تیار رہتا ہے۔

غرض ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں میں اِس سوال کو زندہ رکھے تاوقتیکہ جاوا سماٹرا والوں کے مطالبات مان لئے جائیں۔ گو ہمیں سیاسی معاملات سے دلچسپی نہیں بلکہ ہمیں مذہبی تبلیغ سے دلچسپی ہے لیکن جہاں اسلام کے مستقبل کا سوال ہو اور ہمارے تبلیغی کاموں میں کوئی نقص نہ پڑے تو ہم اس صورت میں اپنی ہر ممکن کوشش صَرف کریں گے۔ اور جیسے جیسے ضرورت محسوس ہو گی اپنی کوششوں کو وسیع کرتے جائیں گے۔ ہمیں جاوا سماٹرا سے اِس لئے بھی دلچسپی ہے کہ ایشیائی ممالک میں سے ہندوستان سے باہر سب سے زیادہ تبلیغ جاوا سماٹرا میں ہوئی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہاں کافی تعداد میں جماعت موجود ہے اور ان لوگوں کے ہم سے بہت اچھے تعلقات قائم ہو چکے ہیں۔ بیرونی ممالک میں سے تعلیم کے لئے سب سے زیادہ طالب علم جاوا سماٹرا سے آئے تھے۔ لڑائی سے قبل سماٹرا کے بیس پچیس طالب علم ایک وقت میں قادیان میں پڑھتے تھے۔ اِس وجہ سے بھی ہماری خاص ہمدردی جاوا سماٹرا کے ساتھ ہے۔ اگر عرب سے ہماری خاص ہمدردی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام عربوں سے سیکھا ہے۔ اور اگر انڈونیشیا والوں سے ہماری خاص ہمدردی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے بعد یہ علاقہ احمدیت کے قبول کرنے میں اول نمبر پر ہے۔ اس لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ اس ملک کی آزادی کے لئے جو کوشش کر سکتے ہیں کریں۔ اس کا ذریعہ یہی ہے کہ جماعت اپنے اخباروں اور رسالوں میں ان کی آزادی کی آواز اٹھاتی رہے اور دوسرے مسلمانوں میں بھی ان کے متعلق ہمدردی کے جذبات پیدا کرے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ڈچ حکومت مغربی ممالک کی مدد لے کر جاوا سماٹرا کی آواز کو دبانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اگر وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہو سکی تو یہ چھ سات کروڑ مسلمان بھی غلامی کی زنجیروں میں پھنس جائیں گے۔ اور اگر

ہماری جماعت ان کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئی تو جماعت کا یہ پہلا قدم ہو گا جو اسلام کی سیاسی مضبوطی کا موجب ہو گا۔" (الفضل 27 اگست 1946ء)

1: الحجر: 3

2: موسل: اناج کُوٹنے کا آلہ

3: انام(Annam): ہند چینی کی ایک سابق ریاست۔ اس کا 800 میل لمبا ساحل بحیرہ چین پر واقع ہے۔ یہاں چین کی حکومت 1418ء تک رہی۔ پھر اہلِ انام نے خود مختار سلطنت قائم کی۔ 1558ء کے بعد انام، ہُوے(Hue) اور ٹا نکن(Tonkin) دو خاندانوں میں بٹ گیا۔ 1802ء میں ہُوے کے ماتحت دوبارہ متحد ہو گیا۔ 1954ء کے معاہدات جنیوا کے مطابق انام تقسیم ہو گیا۔ 2 جولائی 1976ء کو ویت نام میں شامل ہوا۔

(اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد 1 صفحہ 135۔ مطبوعہ لاہور 1987ء)

4: سیام۔(Siam): تھائی لینڈ کا دوسرا نام۔ اس کا دار الحکومت بنکاک ہے۔ ملک کا اہم ترین حصہ اس کا مرکزی میدانی علاقہ ہے جہاں چاول کی کاشت وسیع پیمانے پر ہوتی ہے۔ ساحل کے ساتھ ماہی گیری کے مرکز ہیں۔ اکثریت بدھ مت کی پیرو ہے۔ گیارھویں صدی میں ایک حصہ ٔملک پر کمیئر سلطنت کا قبضہ ہوا۔ جدید سیام کی تاریخ اُس وقت شروع ہوئی جب تیرھویں صدی میں اہل کمیئر نکال دیئے گئے اور ایک اُبھرتے ہوئے تھائی خاندان نے ایوتھیا کو دار الحکومت بنایا۔ انیسویں صدی میں برطانیہ اور فرانس کے ہاتھوں سیام کی آزادی خطرے میں پڑ گئی۔ مگر سیام نے مغربی مشیروں کی خدمات حاصل کر کے آزادی بر قرار رکھی۔ 1932ء تک یہاں مطلق العنان بادشاہی رہی۔ اس کے بعد شاہ پرجادیپک ایک انقلابی ہنگامے کے باعث ایک آئین منظور کرنے پر مجبور ہو گیا۔

(اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد 1 صفحہ 400، 401 مطبوعہ لاہور 1987ء)